R. N. 2186/57. Regd. No A 922

انجمن ترقی اردو هند کا هفته وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No. 29

Telegrams: "ANJUMAN"

قیمت
سالانہ تین روپے
ایک پرچہ
دس نئے پیسے
تاریخ اشاعت
۲۲ ۱۵ ۸ ۱

علی گڑھ - ۱۵ ستمبر ۱۹۶۱ء	ایڈیٹر - آل احمد سرور	جلد ۲۰ - شمارہ ۳۵

مرتبہ خلیل الرحمٰن اعظمی (سکریٹری)

اُردو ادب اور ہندوستانی تہذیب

(ادبی انجمن علی گڑھ میں ایک مباحثہ)

حصہ لینے والے: فراق گورکھپوری، آل احمد سرور، مجنوں گورکھپوری، مسعود علی ذوقی، وحید اختر، قاضی عبدالستار، راہی معصوم رضا، شہریار۔

فراق گورکھپوری

"میرا ایک مضمون نیا دور (لکھنؤ) میں شایع ہوا ہے جو آج کل ادبی حلقوں میں موضوع بحث بنا ہوا ہے، علی گڑھ میں بھی بعض احباب سے گفتگو کرنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ اس مضمون کے بعض حصوں کی مزید وضاحت کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے میں یہ بتا دوں کہ میں نے جو مضمون لکھا تھا اس کا مقصد نہ تو اُردو ادب کے سرمائے کی اہمیت کو کم کرنا تھا اور نہ ان کوششوں کو روکنا تھا جو اس وقت اُردو ادب میں ہو رہی ہیں۔ میرا مقصد یہ تھا کہ ہم یہ سوچیں کہ اُردو ادب میں کن عناصر کی کمی ہے اور اس کے دائرے کو کس طرح وسیع کیا جا سکتا ہے۔

اُردو ادب کی تاریخ پر اگر ہم نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اُردو ادب کی پیدائش مغل سلطنت کے آخری زمانے میں ہوئی۔ یہ زمانہ ایک طور پر تہذیبی زوال اور اِنتشار کا زمانہ تھا۔ ہر طرف انتشار اور افراتفری تھی اور زندگی کی ٹھوس قدریں متزلزل ہو رہی تھیں، لیکن چونکہ مسلمانوں کو ہندوستان آئے ہوئے آٹھ نو سو برس ہو چکے تھے اس لئے ان کی تہذیبی روایات اور تصورات اور عربی اور فارسی بالخصوص فارسی شعر و ادب کے اسالیب ہمارے ذہنوں میں رچے ہوئے تھے۔ اُردو کے علاوہ بعض دوسری زبانوں نے بھی فارسی اور عربی کا اثر قبول کیا۔ ملک محمد جائسی نے پدماوت مثنوی کے طرز پر لکھی اسی طرح تلسی داس کی رامائن میں عربی اور فارسی کے الفاظ نگینے کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے عقیدۂ توحید نے بھگتی تحریک کو جنم دیا۔ مشہور کتاب "گیتا گووند" پر فارسی کا بے حد اثر ہے۔ اسی طرح کبیر اور تلسی رام وغیرہ کے یہاں بھی یہ اثرات خاصے نمایاں ہیں۔ اُردو ادب پر فارسی کے جو اثرات شروع شروع میں پڑے اُن میں ایک طرح کا کھردرا پن تھا، لیکن غالب تک پہنچتے پہنچتے اس میں پختگی اور صفائی آ گئی۔ غالب تک اُردو ادب پہنچا تھا کہ غدر ہو گیا۔

غدر کے بعد غلامی کا احساس شدید ہوا تو ہندوستان میں سیاسی بیداری اور نشاۃ ثانیہ کی تحریکیں شروع ہوتی ہیں۔ ان تحریکوں کے ساتھ قومیت کا ایک شعور پیدا ہوتا ہے۔ یہ شعور سب سے پہلے بنگال میں پیدا ہوا۔ اس بیداری میں ایک رجحان یہ تھا کہ ہم نے اپنی شاندار تاریخ اور ماضی کی اعلیٰ قدروں سے مُنھ موڑ لیا ہے۔ دوسری طرف راجہ رام موہن رائے وغیرہ نے ایک ایسے عملی سماج کا تصور پیش کیا جس میں بعض فرسودہ روایات کو ترک کر کے جدید ذہن جدید فلسفہ، سائنس اور جمہوریت وغیرہ کے تصور کو اپنایا جائے ہندی، بنگالی اور دوسری زبانوں میں ہمارے یہاں اب تک جو ادب پیدا ہوا تھا اس میں ہزاروں برس کا عقیدہ اور یہاں کی دیو مالا کا اثر تھا۔ نئی بیداری کے ساتھ عقائد میں تبدیلیاں ہونے لگیں، لیکن یہ عقائد و تصورات اور یہ دیو مالا اب بھی شعر و ادب کی تخلیق کے لئے ایک سرچشمہ رہی۔ تلک، رام کرشن بھنڈارکر، سوامی دویکانند اور آنند موہن گھوش وغیرہ نے ان تصورات و روایات کا از سرِ نو تجزیہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ غدر کے بعد ان زبانوں میں شعر و ادب کے لئے مذہب کی اتنی اہمیت نہ رہی جتنی تہذیب کی۔ ان ادیبوں نے ہندوستانی بُت تراشی، مصوری، ہندو فلسفہ، ویدک عہد کی تاریخ اور اس کے کارناموں کا جائزہ لے کر اس کے قابل قدر عناصر کو اپنے شعور اور وجدان کا جزو بنایا اور شعر و ادب میں اسے ایک تہذیبی قوت کے طور پر استعمال کیا۔ اُردو کو چھوڑ کر دوسری زبانوں مثلاً بنگالی، گجراتی، مرہٹی اور تامل وغیرہ

ہیں جو ادب پیدا ہوا اس پر ہماری ہزاروں سال کی تہذیب کا اثر بہت گہرا ہے۔ بنگال میں مدھو سودن دت اور ٹیگور نے جو جدید ادب پیدا کیا اس کا رشتہ چنڈی داس اور ودیاپتی سے ملا دیا۔ ٹیگور نے تین ہزار سے زیادہ نظمیں لکھیں۔ جنھیں پڑھ کر مغرب والوں کو ہندوستان کی عظمت کا احساس ہوا۔ ان نظموں میں ہندوستانی مزاج اور ہندوستانی فلسفۂ حیات، یہاں کے دریا، پہاڑ اور موسم، ہندوستانی عورت، ہندوستانی بچے کی معصومیت کیا کچھ نہیں ہے۔

دوسری طرف اگر ہم اردو ادب کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس تہذیبی بیداری اور نشاۃ ثانیہ کا اثر سب سے کمزور شکل میں اردو پر پڑا ہے۔ غدر سے پہلے والی شاعری اردو میں تہذیبی انتشار کی شاعری ہے لیکن سودا، میر اور [illegible] جیسی قد آور شخصیتوں کا ہونا ایک معجزے سے کم نہیں ہے۔ غدر کے بعد دہلی کی مرکزیت ختم ہوئی اور رام پور اور عظیم آباد وغیرہ اردو ادب کے مرکز ہوئے لیکن وہاں جس نوع کا ادب پیدا ہوتا تھا اس میں خلوص کی کمی تھی۔ درباری اور نمائشی ادب، قافیہ پیمائی اور کرتب کا ہمارے یہاں بڑا چرچا رہا، اور اسی کو استادی کہا جاتا تھا۔ ہمارے یہاں بڑے شاعر کا تصور یہ تھا کہ وہ استاد ہو اور استاد وہ شاعر تھا جو عروضی مہارت رکھتا ہو اور شعر کو صنعت و حرفت کے طور پر پیدا کر سکتا ہو یا بنا سکتا ہو، یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد بھی اردو کی عام شاعری میں موسیقی، مصوری، فن تعمیر، فطرت اور بعض دوسرے عناصر کی جھلک بہت کم آنے پائی۔ اردو ادب میں بیداری کا سہرا سرسید تحریک کے سر ہے۔ اس تحریک نے امیر و داغ سے بہتر شاعری کا تصور دیا۔ نیچر پر نظمیں لکھی گئیں، قومیت کا نیا شعور پیدا ہوا، نثر کو بھی سرسید تحریک کے ہاتھوں فروغ ہوا۔ لیکن اس تحریک نے انگریزی خیالات اور وقتی مسائل پر ضرورت سے زیادہ زور دیا یا مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ کو اپنے اصلاحی مقصد کے لئے دہرایا۔ لیکن ادب میں تہذیبی اثرات، اور تہذیب کو تخلیقی محرک کے طور پر استعمال کرنے کا رجحان بہت کم رہا ہے ہمارے یہاں اقبال، چکبست اور جوش کی شاعری نے بڑی خدمت کی ہے۔ اس سے سیاسی بیداری، قومی شعور اور عمل کی صلاحیت کو فروغ ہوا لیکن ان کی شاعری کے پیچھے ہمیں ہندوستانی مزاج اور ہندوستانی تہذیب اعلیٰ پیمانہ پر رچی ہوئی نہیں ملتی۔ دوسری طرف غزل میں بھی اصلاحات ہوئیں اور حسرت، فانی، اصغر، جگر، شاد عظیم آبادی اور یگانہ وغیرہ سے غزل میں جدید رجحانات شروع ہوئے لیکن اس غزل میں سارے نئے پن کے باوجود ہماری دھرتی ہمارا آکاش نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے اردو شاعری کے ڈکشن میں تبدیلی کے لئے کوشش کی جیسے آرزو لکھنوی اور عظمت اللہ خاں وغیرہ لیکن اردو شاعری نے ان آوازوں کو بہت کم قبول کیا یہی وجہ ہے کہ اردو شاعری کا ڈکشن ابھی تک بے حد جامد ہے اور اس میں لچک اور وسعت کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ مجھے حال ہی میں ٹیگور کی نظموں کا ترجمہ کرتے ہوئے ہوا۔ ہم خیالات کو تو ادا کر لیتے ہیں، گیتا اور رامائن وغیرہ کے بعض ترجمے بھی ہمارے یہاں کیے جا چکے ہیں لیکن ہمارے ڈکشن میں وہ فضا آفرینی، استعجاب، فطرت کے مظاہر سے ہم آہنگی اور کائنات کی وسعت کا احساس نہیں ہوتا۔ ہماری بحریں بڑی کسی بندھی ہیں۔ ان میں long vowel sound کا استعمال زیادہ نہیں ہو سکتا اس لئے صوتیاتی اعتبار سے ہم فضا آفرینی میں ناکام رہتے ہیں۔ بعض جگہ ہیبتناکی اور جلال کی ضرورت پڑتی ہے اور بعض جگہ کوملتا اور معصومیت کی۔ ان لہجوں کو گرفت میں لانا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہمارے یہاں ایسی ترکیبیں یا تشبیہیں پہلے سے نہیں، نئی وضع کیجئے تو نامانوس اور اکھڑی اکھڑی معلوم ہوتی ہیں۔ میں نے اپنی بعض نظموں، رباعیوں اور منظوم ترجموں میں یہ کوشش کی ہے لیکن مجھے بعض جگہوں پر اپنی نارسائی کا احساس ہوتا ہے۔ میں خود ایک زمانے تک غزل گوئی کا عادی ہونے کی وجہ سے ایسا نہیں کر پاتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ نظموں کا زمانہ ہے اور آزاد نظم میں اس نوع کے تجربات کی زیادہ گنجائش ہے۔ انگریزی میں سوئن برن، ڈبلیو بی۔ ایٹس اور ٹی ایس ایلیٹ وغیرہ نے اپنی نظموں میں کافی تجربے کئے ہیں اور ان سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ہندو دیومالا کے تصورات کو جذباتی طور پر لانے کے حق میں میں نہیں ہوں۔ لیکن ان تصورات کو شاعرانہ طور پر قبول کرنے میں فائدہ ہے، جیسے آج کے زمانے میں یہ بات کوئی شخص نہیں مانتا کہ گنگا شیو کی جٹا سے نکلی۔ اسی طرح سمندر منتھن وغیرہ کا تصور ہے لیکن ان کہانیوں کو استعارے کے طور پر استعمال کر کے ان کو نئی معنویت دی جا سکتی ہے۔ یونانی دیومالا اور انجیل کی کہانیاں انگریزی ادب کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ ادب عظیم اور تہ دار ہے۔

راہی معصوم رضا: "ہندوستانی مزاج سے آخر فراق صاحب کی کیا مراد ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اردو کا مزاج ہمیشہ سے ہندوستانی رہا ہے۔ ہندوؤں میں بعض فرقہ پرست ایسے ہیں جو اردو زبان و ادب پر طرح طرح کے الزامات تراش رہے ہیں انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہماری زبان اور ہمارا ادب بدیسی ہے۔ میں سمجھتا ہوں فراق صاحب نے اس کا اثر قبول کیا ہے۔ اردو ادب یا شاعری کا ذکر کرتے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اس کی تخلیق زیادہ تر ان لوگوں نے کی ہے جو شہری تھے اس لئے اس میں فطرت کے مناظر، یا پھولوں پتوں اور دریاؤں پہاڑوں کا ذکر کم ہے۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ چیز بالکل ناپید ہے۔ ایسے شاعر اور ادیب بھی ہمارے یہاں ہیں جنھوں نے ہندوؤں کی دیومالا، ہندو مذہب کی رسومات اور یہاں کی زندگی کا اثر قبول کیا ہے۔"

قاضی عبدالستار: فراق صاحب کا جو مضمون "نیا دور" میں چھپا تھا اسے پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فراق صاحب کے نزدیک اردو زبان اور اس کے ادب کا مستقبل اس وقت تک تاریک ہے جب تک کہ وہ سنسکرت ادب کا تتبع نہ کرے یا اس کا مکمل پرتو نہ بن جائے۔ اصل میں ۴۷ء کے بعد ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہوں پر احیائی میلانات شروع ہوئے ہیں۔

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

اداریہ

حقایق کو کب تک جھٹلایا جائے گا

ہمارے وزیرِ اعظم نے بار ہا کہا ہے کہ پنجاب میں ہندی اور پنجابی کے حامی جھگڑتے تو ہیں مگر یہ سارا جھگڑا اُردو میں ہوتا ہے۔ ابھی پارلیمنٹ میں پنجابی صوبے کے مسئلے پر تقریر کرتے ہوئے اُنھوں نے یہ بھی بتایا کہ ماسٹر تارا سنگھ اور سنت فتح سنگھ جب اُن سے گفتگو کرنے گئے تو دونوں نے گفتگو کے نوٹ اُردو میں لئے۔ پنجابی اور ہندی کے مسئلے پر ہمیں اس وقت کچھ کہنا نہیں ہے۔ ہمارے خیالات سے ہماری زبان کے پڑھنے والے واقف ہیں، ہمارا مسلک یہ ہے کہ ہر زبان کو اس کا حق ملنا چاہئے اور پنجابی کو پنجاب میں ضرور وہ درجہ حاصل ہونا چاہئے جو اُس کا حق ہے۔ لیکن ہمیں تمام محبانِ وطن سے یہ بات ضرور پوچھنا ہے کہ وہ ہندی اور پنجابی کی کشمکش میں کب تک اُردو کے حقوق کو نظر انداز کرتے رہیں گے۔ یہ ضرور ہے کہ آج مخصوص حالات کی وجہ سے جن کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں، اُن لوگوں کی تعداد جو اُردو کو اپنی مادری زبان کہتے ہیں، بہت ہی کم ہے اور اُن میں سے بیشتر مسلمان ہیں۔ مگر کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ پنجاب میں تمام پڑھے لکھے لوگ، خواہ وہ پنجابی علاقے میں ہوں یا ہندی علاقے میں اُردو بھی جانتے ہیں، کیا یہ درست نہیں کہ اُردو کے اخباروں کی تعداد، پنجابی اور ہندی کے اخباروں سے زیادہ ہے۔ کیا اُردو کے اخباروں کی اشاعت کے اعداد ملک کے سامنے نہیں ہیں؟ کیا لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ جدید اُردو ادیبوں اور شاعروں میں پنجاب والے کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ کیا یہ بتانا ضروری ہے کہ پنجاب میں جب مشاعرے ہوتے ہیں تو ہزاروں لاکھوں آدمی ان میں شریک ہوتے ہیں۔ کیا پنجاب کی فضا، وہاں کے ولولے، جوش اور جذبے کی بھرپور اور جاندار ترجمانی اُردو ادب میں نہیں ملتی۔ کیا پنجاب کی حکومت ننگل سے لائی ہوئی بجلی پر قناعت کرے گی اور طاقت کے اس خزانے سے جو اُردو ادب میں موجود ہے، کوئی کام نہیں لے گی۔ کیا اُردو کے ذریعے سے قومی زندگی کی تعمیر کا جو کام ہو سکتا ہے اس پر توجہ نہ ہوگی، کیا ایک شاندار قابلِ فخر روایت کو برباد ہونے دیا جائے گا۔ کیا آنے والی نسلیں اس غفلت اور کوتاہی کو معاف کر دیں گی، ہندی اور پنجابی کے جھگڑے کو بہانہ بنا کر اُردو کے حقوق کو نظر انداز کرنا، بہت بڑی غلطی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ دو زبانوں کے تسلیم کرنے سے ابتدائی تعلیم اُردو میں دینا اتنا آسان نہیں جتنا پہلے تھا۔ مگر صرف ان علاقوں میں اُردو کی تعلیم کا انتظام کرنا جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے، اور اصل سرکاری طور پر یہ ماننے کے مترادف ہے کہ اُردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ اُردو کی تعلیم کا انتظام ہر جگہ ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں ہم حسبِ ذیل تجاویز پنجاب کی حکومت اور عوام کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں، ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ معمولی کوشش سے ان سب کو عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے۔

(۱) ہر ضلع میں تجربے کے طور پر اُردو میں ابتدائی تعلیم کا انتظام کیا جائے، ہندی کے علاقے میں ہندی اور پنجابی کے علاقے میں پنجابی لازمی زبان کے طور پر تیسرے درجے سے پڑھائی جائے۔ اگر تین سال کے تجربے کے بعد معلوم ہو کہ ان اسکولوں سے فائدہ نہیں اُٹھایا گیا تو انھیں بند کیا جا سکتا ہے۔

(۲) ثانوی مدارس میں اُردو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے ہر جگہ رکھی جائے اور اس کی تعلیم کا مناسب انتظام کیا جائے۔

(۳) پنجاب یونیورسٹی اُردو کا ایک آزاد شعبہ قائم کرے جو بی۔ اے اور ایم۔ اے میں اُردو اختیاری مضمون کی حیثیت سے پڑھانے کا انتظام کرے۔ اس شعبے کے لئے ایک پروفیسر جلد سے جلد مقرر کیا جائے۔

(۴) ایک لاکھ کے بجائے دس لاکھ روپیہ اُردو ادب کی ترقی کے لئے رکھا جائے اور اُردو کے ادیبوں اور شاعروں کے انتخابات شایع کئے جائیں۔ اُن کو انعامات بھی معقول تعداد میں دئے جائیں، ضرورت مند ادیبوں کو وظیفہ دیا جائے۔

(۵) عدالتوں اور دفاتر میں اُردو کے موجودہ استعمال پر پابندی عاید نہ ہو اور چلن کو چند وقتی مفادات کے لئے نہ ٹھکرایا جائے۔

ہندی اور پنجابی کی ترقی کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی ان کی ترقی کے لئے ہر مناسب تدبیر اختیار کرنا چاہئے، مگر ان کی وجہ سے پنجاب میں اُردو کی طرف سے بے نیازی اور غفلت کا کیا جواز ہے؟ آخر حقایق کو کب تک جھٹلایا جائے گا؟

اِدھر اُدھر سے

جگر کی یادگار

رانچی ۹ر ستمبر۔ جگر صاحب کی مناسب یادگار قائم کرنے کے متعلق، جس میں ان کے مقبرے کی تعمیر، ان کے کلام کی اشاعت اور اُردو ادب پر تحقیقی کام کی ہمت افزائی کے پروگرام شامل ہیں، آل انڈیا جگر میموریل کمیٹی کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین نے ایک اپیل شایع کی ہے۔

اپیل میں کہا گیا ہے، جگر مرادآبادی کے سانحۂ ارتحال پر پیارے

ہندوستان میں جس غم کا اظہار کیا گیا اس سے کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ اس شاعر رنگین نوا نے لوگوں کے دلوں میں کیسی جگہ بنالی تھی۔

سچ یہ ہے کہ مرحوم اپنے کلام کو اپنے خون جگر سے جو دل نواز رنگینی اور اپنی تپش دل سے جو حیات پرور حرارت بخش گئے ہیں وہ اُن کے لئے حیات جاوداں کی ضمانت ہے۔ جب تک اور جہاں کہیں اُردو زبان بولی اور سمجھی جائے گی جگر کی یاد تازہ رہے گی۔ یہ انتظام تو اپنی یادگار کا وہ خود کر گئے ہیں لیکن ہم پر بھی، کہ ان کی مفارقت پر ماتم گزار ہیں اور انکی کاوش سے بہرہ یاب، کچھ ذمہ داری ہے۔

مرحوم کے انتقال کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ایک آل انڈیا جگر میموریل کمیٹی قائم ہوئی۔ اس کمیٹی نے اپنے اجلاس میں جو ۱۳ر دسمبر ۶۰ء کو راشٹرپتی بھون، نئی دہلی میں منعقد ہوا تھا، یہ تجویز منظور کی کہ گونڈہ (اتر پردیش) میں جہاں جگر نے اپنے جسد عنصری کو خیر باد کہا، ایک خوبصورت مقبرہ جو اس بڑے شاعر کے شایان شان ہو تعمیر کرایا جائے۔

کمیٹی نے یہ بھی طے کیا کہ ان کے تمام کلام کو یکجا کر کے بہ حسن و خوبی شایع کیا جائے۔ اور ان کے نام پر کسی ہندوستانی یونیورسٹی میں اُردو ادب پر تحقیقی کام کا ایک شعبہ قائم کیا جائے۔ اس کے علاوہ ان کے کلام کا ایک انتخاب بھی شائع کیا جائے تاکہ جو لوگ ان کے پورے کلام کو نہ پڑھ سکیں وہ اس انتخاب کے ذریعے ان کی بسائی ہوئی دنیائے فکر و نظر و کیف و احساس سے روشناس ہو جائیں۔

ان سب کاموں کے لئے روپے کی ضرورت ہے اور اُردو شاعری کے دلدادوں سے ہی نہیں، کہ مرحوم کی محبوبیت اور مقبولیت ان میں مسلم ہے بلکہ قومی زندگی کی تحسین و تزئین میں شاعری کی اہمیت جاننے والوں اور ایک نیک دل انسان اور ایک دل نشیں شخصیت کے قدر شناسوں سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ فراخدلی سے عطیات دے کر ان کاموں کو پورا کرنے میں مدد فرمائیں۔

میری یہ بھی درخواست ہے کہ جہاں تک ممکن اور مناسب ہو مشاعرے منعقد کر کے بھی روپیہ فراہم کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس اچھے کام میں شریک ہو سکیں۔

میموریل کمیٹی نے مقبرہ کے لئے زمین حاصل کرنے کے متعلق ضروری کارروائی شروع کردی ہے۔

عطیات کمیٹی کے خازن سید حامد حسین اسلم رضوی کو بھیجے جائیں۔ ان کا پتہ یہ ہے :-

احمد منزل عبدالعزیز روڈ۔ لکھنؤ

بچوں کے ادب کی اشاعت تیسرے منصوبے میں

لوک سبھا میں مرکزی وزیر تعلیم ڈاکٹر کے۔ ایل۔ شریمالی نے تیسرے منصوبہ کے دوران بچوں کے ادب کی ہمت افزائی کے پروگراموں کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا۔

ڈاکٹر شریمالی جو شری ایم۔ ایل۔ دویدی کے ایک سوال کا جواب دے رہے تھے درج ذیل پروگراموں کا ذکر کیا۔

تمام علاقائی زبانوں اور ہندی، سندھی اور اردو میں ہر سال بچوں کی کتابوں کا ایک قومی مقابلہ منعقد کیا جاتا ہے۔ علاوہ انعامات کے انعام جیتنے والی کتابوں کی زیادہ سے زیادہ دو ہزار کاپیاں بھی خرید لی جاتی ہیں جو اسکولوں، تعلیمی اداروں اور بچوں کے دوسرے مرکزوں کو بھجوائی جاتی ہیں۔

ملک کے مختلف حصّوں میں ہر سال چھ ادبی اسکول منعقد کئے جائیں گے جہاں مصنفوں کو بچوں کے ادب کی تیاری کی تربیت دی جائے گی۔ ہر ایک اسکول صرف ایک زبان سے متعلق ہوگا اور چھ ہفتوں کے لئے ہوگا۔

ہندوستان کی تمام بڑی زبانوں میں بچوں کے لئے باتصویر کتابیں شایع کی جائیں گی۔ یہ کتابیں اس طور پر تیار کی جائینگی کہ ان کے تصویری حصّوں کو بڑی تعداد میں یعنی پچاس ہزار سے ایک لاکھ تک چھاپا جاسکے اور اس کے بعد ہر زبان کا حصہ الگ الگ شامل کرلیا جائے۔ اس طرح بچوں کو یہ کتابیں سستے داموں پر مل سکیں گی۔

ہندی اور دیگر جدید ہندوستانی زبانوں میں بچوں اور اساتذہ کے لئے قومی جذباتی یکجہتی کے موضوع پر کتابیں تیار کی جائیں گی۔

کم قیمت جیبی کتابوں کی اشاعت

صوبہ بویریا کے دارالخلافہ میونک کے پانچ مشہور ناشرین نے مل کر ایک نئے "جرمن ادارہ برائے تصنیف و تالیف" کو قائم کیا ہے جس کی غرض و غایت ادب کی خدمت کرنا ہوگی۔ یہ ادارہ مستقبل قریب ہی میں نہایت مناسب داموں پہ ادبی شہ پاروں کو جیبی کتابوں کی صورت میں شایع کرے گا جن کا خریدنا ہر باذوق شخص کے لئے ممکن ہوگا۔

اس نئے ادارہ کے پروگرام میں ادبیات عالیہ، قدیم یونانی اور لاطینی تصانیف کے علاوہ حالات حاضرہ سے متعلق دستاویزی اشاعت کو فروغ دینا شامل ہوگا۔ سال رواں کے آخر میں ماہانہ دو جلدوں کے حساب سے اس نئے منصوبہ کا آغاز ہوگا جس کی ابتدائی کتب گوئٹے کی تمام تر تصانیف پر مشتمل ہونگی۔ ان نئی جیبی کتب کی اشاعت کے ساتھ ہی ادبی دنیا میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا جس کے ذریعہ ہر شخص پونے تین روپوں میں اس مشہور اہل قلم کی تخلیقات سے واقف ہو سکے گا۔ مزید برآں یہ ادارہ دیگر مشہور نامور مصنفین مثلاً اسکر وائلڈ، سپنگلر، کارل جیسپر وغیرہ کی تصانیف کو بھی شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

تمکین کاظمی مرحوم کی بیوہ کے لئے مرکز کا وظیفہ

حکومت ہند نے حیدرآباد کے مشہور ادیب اور محقق جناب تمکین کاظمی مرحوم کی بیوہ کے نام ماہانہ ایک سو روپے کا وظیفہ منظور کیا ہے۔ یہ وظیفہ مرحوم کی ادبی خدمات کی بنا پر جاری کیا گیا ہے۔

کنور مالیگانوی

غزل

رنگ اور نور فضا میں تو اچھالے کتنے
ذہنِ انساں میں مگر تم نے اجالے کتنے!
حق کی آواز جو چھیڑ گئی باطل کا
وہ لگاتے لبِ گفتار پہ تالے کتنے؟
ہمنوایانِ چمن تم کو خبر ہے کہ نہیں!
بن گئے نغمۂ بلبل مرے نالے کتنے؟
رُخِ گیتی سے مگر جہل کی ظلمت نہ مٹی
ماہ و انجم مرے اشعار نے ڈھالے کتنے
تجھ کو جینے کا سلیقہ ہی نہ آیا ورنہ
غمِ جاناں نے دیے تجھ کو سنبھالے کتنے
میرے ہی حسنِ نظر نے تجھے شہرت بخشی
ورنہ رکھتے اور ترے چاہنے والے کتنے؟
اے نگہبانِ حرم تجھ کو خبر ہے کہ نہیں!
بن کے مٹ جاتے ہیں ہر روز شوالے کتنے

ملو رضوی برق

غزل

بیڑیاں آپ سے بجنے لگیں دیوانوں کی
زخم پرور خیز بہاریں ہیں گلستانوں کی
حُسن خاموش سے چلتی ہی رہی عشق کی چھیڑ
شمع روتی ہی رہی خاک پہ پروانوں کی
گردشِ چشم پہ ساقی کے ہے رندوں کی نگاہ
فرق آجائے نہ رفتار میں پیمانوں کی!
چاکِ دامن کوئی مجھ سا نہ ملا برق ہنوز
یوں کہانی تو سنا کرتا ہوں دیوانوں کی

زخمی حصاری

غزل

جب فلک پر کبھی گھٹا چھائی
دیکھ کر میری آنکھ بھر آئی
صبحِ خنداں نے بھی رُلایا تھا
کیا بگاڑے گی شامِ تنہائی
سوچتا ہوں کہ بھولنے پہ تجھے
تیری یاد آئی بھی تو کیوں آئی
جن پہ فرزانگی تُلا بیٹھا
وہ بھی کہتے ہیں مجھ کو سودائی
جب کیا ہم نے اہتمامِ بہار
گلشنِ زیست میں خزاں آئی
راہِ ہستی میں وہ مقام بھی تھے
زندگی زندگی سے شرمائی
کچھ نہ کچھ ہو رہے گا دنیا میں
وقت لینے لگا ہے انگڑائی
بہنے دو آنکھ سے لہو زخمی
اب کہاں تک خیالِ رسوائی

اکمل حیدرآبادی

غزل

کس نے آنچل ہوا میں لہرایا
لگ گئی آگ چاند تاروں میں
اُن کے ہونٹوں پہ پھر ہنسی آئی
پڑ گئی جان پھر بہاروں میں
میرے ہاتھوں میں ہے مری قسمت
یہ عقیدہ نہیں ستاروں میں
موجِ طوفاں نصیب ہی نہ ہوئی
ڈوبی کشتی مری کناروں میں
اپنی منزل کو پالیا ہم نے
رہ گئے خضرِ رہگذاروں میں
ہوگئی بزم منتشر اکمل
اُس نے کیا کہہ دیا اشاروں میں

چندر پرکاش شاد

غزل

مری نگاہ سے گذرے ہیں وہ نظارے بھی
اُٹھے ہیں سینۂ شبنم سے جب شرارے بھی
کبھی لبوں پہ حیات آفریں تبسم تھا
مگر کھٹکتے ہیں اب پھول کے اشارے بھی
تمہارے غم سے محبت کو لغزشیں بھی ملیں
تمہارے غم نے دیے ہیں مگر سہارے بھی
غمِ حیات سے ہنستا ہوا گذر جاؤں
کوئی مجھے مری آواز میں پکارے بھی
مزاجِ عشق تغیر پذیر ہے اے شاد
بدل رہے ہیں جنون و خرد کے دھارے بھی

راہی الفت یاوری

غزل

جہدِ غمِ جہاں نے مجھے کیا بنا دیا
ہنس ہنس کے راہِ غم سے گزرنا سکھا دیا
تو نے مری وفاؤں کا اچھا صلہ دیا
دردِ حیات میرا مقدر بنا دیا
لے ڈوبا تھا مجھے مری بربادیوں کا غم
یادِ حبیب تو نے بڑا آسرا دیا
ہم سے ہے تیری بزمِ تمنا کی دلکشی
ہم نے ہی تجھ کو انجمن آرا بنا دیا
ہم نے لٹا دی تجھ پہ متاعِ نشاطِ زیست
اے پیکرِ جمال بتا تو نے کیا دیا

ناہید عذرا

غزل

وحشتِ عشق کا عرفاں کوئی مجھ سے پوچھے
لذتِ سوزشِ پنہاں کوئی مجھ سے پوچھے
ہم شناسائے بہاراں ہیں پرستارِ جنوں
رمزِ آدابِ گلستاں کوئی مجھ سے پوچھے
شوق جب حد سے بڑھا اپنے رقیب آپ ہوئے
میرا احساسِ فراواں کوئی مجھ سے پوچھے
کچھ حسیں یادیں خلش بن کے چبھا کرتی ہیں
زیست ہے حشر بداماں کوئی مجھ سے پوچھے

نور حسن خیامی

غزل

گر تعلق نہیں ہے کچھ ہم سے
یاد کیوں صبح و شام آتے ہیں
بدنصیبی کہ تیری محفل سے
آج بھی تشنہ کام آتے ہیں
کوئی قاصد نہ کوئی نامۂ شوق
پھر بھی اُن کے پیام آتے ہیں
جن میں احساسِ زندگی ہی نہیں
کب کسی کے وہ کام آتے ہیں
جانے کیا بات ہوگئی نورِ حسن
آج مجھ تک بھی جام آتے ہیں

افتخار احمد فہمی

غزل

بڑھ کر جہاں جرأت کا کچھ اظہار ہوا ہے
در اصل سفینہ بھی وہیں پار ہوا ہے
دل یاد سے پھر یوں گل و گلزار ہوا ہے
جیسے مجھے سچ مچ ترا دیدار ہوا ہے
ہر صبحِ طرب میں رہا تمہیدِ مسرت
ہر شامِ الم تو مرا غمخوار ہوا ہے
نسبت دلِ سوزاں کو ہے کیا آتشِ گل سے
شعلہ سا ابھی کیوں یہ نمودار ہوا ہے
وہ پھول بھی رہتا ہیں جو ہیں جانِ گلشن
ہر چند کہ دامن مرا پُر خار ہوا ہے
غم اور خوشی تھی کبھی منزل ہی لیکن
اب اس سے بھی آگے مرا معیار ہوا ہے

مراسلات

قومی اتحاد اور زبان کا مسئلہ

(انگریزی روزنامہ "ٹائمز آف انڈیا" (دہلی) کی ۱۹ر اگست کی اشاعت میں ڈاکٹر ملک راج آنند کا "خیالات ناظرین" کے مستقل کالم میں قومی اتحاد اور زبان کے مسئلہ پر ایک خط چھپا ہے۔ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ہم اسے "ہماری زبان" میں شائع کر رہے ہیں۔ اس خط کا ترجمہ میر شریف احمد انچارج شعبۂ اردو جموں و کشمیر یونیورسٹی نے بھیجا ہے۔ ادارہ)

"جناب عالی!

جناب سی۔ این۔ وکیل (۱۳، ۱۴ اور ۲۹ جولائی) نے جو ہندوستان کے قومی اتحاد کے سلسلے میں ملک کے لئے ایک یا دو زبانوں کے متعلق تجویزیں پیش کی ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح وہ مسئلے کی اصل جڑ تک جا پہنچے ہیں۔ اُن کی یہ تجویز کہ ہندی اور انگریزی دونوں کو بڑھاوا دیا جائے، اُن حلقوں میں بنظر استحسان دیکھی جائے گی جو موجودہ حالات پر حقیقت پسندانہ نظر رکھتے ہیں۔

لیکن، جبکہ ہم میں سے بہت سے جناب وکیل کی تجویزوں کو عمل جامے میں دیکھنے کے لئے خوش ہوں گے، میں یہاں ایک سوال پیش کروں گا: یہ سوال ہندی زبان کے متعلق تمام مباحث میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے لیکن آج تک اسے چھوا بھی نہیں گیا۔

یہ امر تسلیم کیا جائے گا کہ ہندوستان کے عوام وہ سنسکرتیائی ہندی نہیں سمجھتے جس کی حمایت ہند سرکار کے "برہمنوں" کی طرف سے کی جا رہی ہے۔ کابینہ میں شاید صرف ایک ہی "غیر برہمن" ہے اور وہ ہیں ہمارے وزیر اعظم، اگرچہ وہ برہمن ہی پیدا ہوئے تھے۔ وہ تنہا شخص ہیں جن کے نزدیک ہندی کا مطلب ہے ہندوستانی —— ہندوستانی جو ہندوستان کی بول چال کی اصل زبان ہے۔

ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ ہندی کے نہایت اعلیٰ درجے کے ناول نگار اور ڈرامہ نگار بھی اپنے کرداروں کو دراصل اور پر یاگ کے خاص طبقوں کی زبان اور لہجہ نہیں دے سکتے، جبکہ دوسری طرف بنیادی ہندوستانی بمبئی کی گلیوں میں، مدراس کے ریلوے پلیٹ فارم پر، کلکتہ کے ہوائی اڈے پر اور دلی کے ٹیکسی ڈرائیوروں کے درمیان بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

میری تجویز ہے کہ "برہمن" سنسکرت بولتے ہندوستان کا واہمہ ذہن سے جھٹک کر نکال دیں اور تسلیم کریں کہ ہندوستان کے مختلف لسانی علاقے ایک حقیقت ہیں، جن کے درمیان ایک زندہ زبان ہی رشتہ ہو سکتی ہے نہ کہ گھمنڈی پنڈتوں کی شدھ ہندی۔

ملک راج آنند ۔ بمبئی ۔ ۱۰ر اگست

اُردو ٹائپ رائٹر

۱۵ر اگست ۱۹۷۱ء کے "ہماری زبان" میں مندرجہ عنوان پر ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ فاضل مضمون نگار نے یہ فرمایا ہے کہ یہ ٹائپ نستعلیق ہے گا۔ اس پر ایک سرسری نظر ڈالنی مقصود ہے کہ یہ عملی صورت میں بن سکے گا یا نہیں۔

مجوز صاحب نے اپنے کسی بورڈ میں ن، ف اور ل کے لئے دو دو کلیدیں دی ہیں۔ ک فوقانی مرکز (گ کے لئے) اور جوڑ کے لئے چار، زیریں و بالا ایک، دو اور تین نقطوں کے لئے چھ اط کے لئے دو ص کے لئے دو (مع جوڑ)۔

دوسری سطر میں ۱، شکل ب، شکل ج، م، و، س، ا، ے، ی کے لئے دو دو کلیدیں اور ر اور د کے لئے ایک ایک اس طرح ایک کلیدمیں دو حرف کے لحاظ سے دس کلیدیں ہوئیں۔

تیسری سطر میں اعراب چھ علامت تعجب و سوالیہ دو، واؤ اور الٹا پیش۔ ا اور ع کا جوڑ، ع فوقانی و تحتانی، ہ مع جوڑ اور ق مع جوڑ اس طرح تیسری سطر مکمل ہوئی۔ نشانات اور ہندسے مروجہ ٹائپ سے لینے کا مشورہ دیا گیا ہے، جو چوتھی سطر ہوگی۔

اب سوال یہ ہے کہ جو جوڑ دئے گئے ہیں ان میں شکل ب کے لئے صرف ایک جوڑ ہے حالانکہ شکل ب کے لئے نستعلیق میں چار جوڑ کی ضرورت ہے یعنی با، بس، بم، بی (بر، بد، بر، بڑ) اور تجویز پیش کردہ میں صرف ایک (بہ) ہے۔

ک پر مرکز کے لئے ایک کلید علیٰحدہ دی گئی ہے، یہ ٹائپ میں اس طرح ڈھلے کہ برابر ک کے مرکز پر ہی آئے۔ اور جو اس طرح مرکز پر آئے وہ کسی اور کام کے لئے علامت نہیں بن سکتی اس لئے کہ علامت کے طور پر استعمال ہونے والی شکل کو سطر کی سیدھ میں ہونا چاہئے۔ نقطوں کے لئے ایک نقطہ کی دو کلیدیں زیر و بالا اسی طرح دو اور تین نقطوں کی چھ کلیدیں ہیں۔ اس میں ایک نقطہ والی کلید کو لیجئے کہ جو نقطہ ن اور ج میں آئے گا کیا وہ خ، ذ اور ز، ظا اور ض پر آسکتا ہے؟ تبدیلی مقام کی وجہ سے ایسا نہ ہوگا کہ ایک نقطہ سب کے لئے کارآمد ہو سکے۔

ہمارے حروف تہجی میں نیچے نقطہ رکھنے والا صرف ب ہے اور اوپر دو نقطے رکھنے والا صرف ت، ق کے لئے تو کلید موجود ہے پھر ب اور ت کو نقطوں سے علیٰحدہ کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

ف کے لئے بھی دو کلیدیں دی گئی ہیں۔ یہ بھی ہم شکل ب ہے۔ ن بھی اسی کے ساتھ آئے گا اور ی بھی۔ لیکن نقطوں کی نشستوں کا سوال ہر حالت میں پریشان کن ہوگا۔ اسی طرح س، ش، ص، ض کے لئے بھی کم از کم تین جوڑ ہونگے یعنی ایک جوڑ سن کے لئے، ایک سر کے لئے اور ایک سح کے لئے۔ مجوزہ صرف ایک ہے جو نستعلیق کے لئے کافی نہیں۔ ع کے لئے صرف دو جوڑ ظاہر کئے گئے ہیں لیکن مستعملات ہیں۔

مثلاً عادت۔ عطر۔ عیار۔ انعام۔ نعمت۔ بغیر۔ شمع۔

ابھی کئی ایسی خامیاں اس میں ہیں۔ نستعلیق کا سوال پیدا ہوگا تو جوڑوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا اور اس کے لئے بہت بڑے کلیدی بورڈ کی ضرورت ہوگی۔ ٹائپ کرنے والے کے لئے یہ حافظہ میں رکھنا بہت بار ہوگا۔ اتنے تمام جوڑوں کے مقامات یاد رکھ کر تیزی سے کام ہونا ممکن نہیں۔ کلیدی بورڈ جتنا مختصر ہوگا۔ کام میں تیزی ہی سہولت ہوگی اور نستعلیق ٹائپ کے لئے جو تجربات ہوئے ہیں، انھوں نے ہمت پست کردی ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ ہم نسخ ٹائپ قبول کرلیں اس میں اصلاح کی بہت گنجائش ہے۔

اب جو (۴۲) پورٹیبل اور (۴۶) کلیدوں کے ریمنگٹن ٹائپ رائٹر ہیں انھیں کم کرکے ۳۸ تک لایا جاسکتا ہے اور (۳۸) میں بھی قفل، بازگشت اور مکرر کی کلیدیں شامل ہیں، بلکہ اعداد، اعراب اور علامات بھی۔ اس کے لئے کشادہ دلی اور وسعت نظر کی ضرورت ہے۔ ایسا ہو تو میرا خیال ہے کہ ہم بہت جلد آگے بڑھ سکیں گے۔ یہ ٹائپ ڈھل کر بھی نستعلیق کی طرح جلد ناقص نہ ہوگا اور چھوٹے سے چھوٹا بھی بن سکے گا اور بنانے کے لئے بھی ہمیں بہت زیادہ محنت اٹھانے کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ کچھ کم ہی ہوگی۔

(محمد اکبرالدین صدیقی)

لفظ خاتم

"ہماری زبان" (مورخہ ۲۲ر اگست ۶۱ء) کے مراسلات میں جناب مسعود احمد انیس صاحب کا مراسلہ دیکھا۔ موصوف نے خاتَم کی صراحت کی ہے۔ لیکن خاتِم بالکسر بھی تو اپنا مقام رکھتا ہے۔ خود مسعود صاحب نے یہ جملہ لکھا ہے:-

"غالب اور ذوق جو خاتم الشعراء ہیں .... الخ"

اسی طرح خاتم المرسلینؐ، خاتم النبیینؐ بھی تو ہیں۔

موصوف کو یہ بھی بتانا چاہیے تھا کہ یہ لفظ بالکسر بھی مستعمل ہوتا ہے اور یہ اس کی مثال ہے۔ خاتمہ کا لفظ بھی اسی بالکسر خاتِم ہی سے بنا ہے۔

۱؎ اور بعض لوگوں کا کیا ہے وہ تو عِصمت (بالکسر) کو عَصمت (بالفتح) بولتے ہیں۔ حالانکہ بالفتح کوئی معنی نہیں رکھتا۔

۲؎ فضا بھی بالفتح ہے۔ مگر اردو بولنے والے عموماً بالکسر بولیں گے۔

۳؎ اب شفا کو لیجئے۔ بالکسر صحت و تندرستی مراد ہے۔ اور بو علی سینا کی ایک کتاب ہے ؎

مسیحا کو دیکھا دوا ہو گئی ● اشاروں میں تجھ کو شفا ہو گئی (بہیر)

شَفا بالفتح ——— عمر کا آخر ——— ہر چیز کا کنارہ

لغات کشوری (صفحہ ۲۷۷)

اگر آپ کسی بیمار کی عیادت کو جائیں اور آپ کی زبان سے نکلے "خدا آپ کو شفا دے" ——— تو پھر شفا ہو چکی۔ بیمار اگر تحقیق زبان کا ماہر ہوا تو ایک وہم میں پڑ جائے گا کہ یہ حضرت کہیں کالی زبان کے نہ ہوں۔

۴؎ عِشاء۔ ۶۔ رات کی تاریکی جو وقت نماز کا ہے اور اس نماز کو بھی عشاء کہتے ہیں۔

عَشاء۔ ۶۔ وہ کھانا جو رات کو کھاتے ہیں۔ عشائیہ اسی سے بنا۔

عَشا۔ ۶۔ بغیر ہمزہ کے ——— شب کوری۔ رتوندی ———

۵؎ اور بڑے بڑے زبان دان نَفرت بالفتح کو نِفرت بالکسر بولتے ہیں۔ جس کے معنی بیزاری۔ گھن اور کراہیت کے آتے ہیں ؎

ہم وہ بلبل تھے اٹھا یا جب چمن سے آشیاں
باغباں کو باغ کی صورت سے نفرت ہو گئی (تعشق)

تو مطلب یہ ہے کہ یہ زیر و زبر بھی بڑے آفت کے پرکالے ہیں۔ اعراب میں ذرا سی بھی غلطی ہوئی کہ معنی بدل گئے۔

(تہاں بانو نقوی)

انجمن کا خبرنامہ

بابائے اردو کے انتقال پر مختلف انجمنوں اور اداروں کے تعزیتی جلسے

(بابائے اردو مولوی عبدالحق کے انتقال پُر ملال پر ہندوستان کی شاید ہی کوئی ایسی علمی اور ادبی انجمن یا ادارہ ہو، جس نے تعزیتی تجاویز پاس نہ کی ہوں اور سوگ نہ منایا ہو۔ لیکن چونکہ "ہماری زبان" کے محدود صفحات میں ان تمام خبروں کو شائع کرنا ناممکن ہے اس لیے صرف ان انجمنوں اور اداروں کے نام شائع کئے جا رہے ہیں جنھوں نے تعزیتی جلسے منعقد کئے اور تعزیتی تجاویز پاس کیں ——— ادارہ)

انجمن ترقی اردو (مغربی بنگال)، انجمن ترقی اردو (احمد آباد)، انجمن ترقی اردو (ٹونک)، انجمن ترقی اردو (برہان پور)، انجمن ترقی اردو (بریلی)، بزم ادبیات اردو (امراوتی)، ماڈرن پوئٹس سوسائٹی (جے پور)، اردو لائبریری (جگدھر پور)، انجمن غوثیہ (جمشید پور)، انجمن اسلامیہ (بریلی)، انجمن نوجوان مصنفین (بمبئی)، بزم ادبیات اردو (مہاودیالیہ ناگپور)، انجمن ترقی اردو (جلپو)، انجمن سراج ادب (گورکھ پور)

شاخ احمد آباد کی مجلس منتظمہ کی تجاویز

انجمن ترقی اردو احمد آباد کی مجلس منتظمہ کا یہ جلسہ رائے کھنڈ پرائمری اردو اسکول نمبر ۱۸ کا مکان خالی کرکے اس کا قبضہ مالک مکان کے سپرد کئے جانے کے خلاف نیز اس سے برآمد ہونے والے نتائج کے خلاف سخت تشویش کا اظہار کرتا ہے۔

مذکورہ مکان خالی کئے جانے کے بعد مذکورہ اردو اسکول اس عمارت میں منتقل کر دیا گیا ہے جو ڈاھیا بھائی مانک لال کے نام سے منسوب کی گئی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ مالک مکان نے اسکول کے اس مکان میں رہنے پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے اور چاہتے ہیں کہ مذکورہ اسکول اس عمارت سے ہٹا دیا جائے۔ اس صورت حال نے قرب و جوار کے اردو پڑھنے والے بچوں کے والدین میں ایک سخت تشویش پیدا کر دی ہے اور انھیں خدشہ ہے کہ کہیں یہ اسکول بھی شاہی باغ اور کوچرب کے اردو اسکولوں کی طرح ختم نہ کر دیا جائے۔

یہ جلسہ اسکول بورڈ سے مطالبہ کرتا ہے کہ جن حضرات کی ناعاقبت اندیشی اور ریشہ دوانیوں کے ذریعہ مذکورہ اردو اسکول کا سابق مکان خالی کر دیا گیا ہے ان کے خلاف تحقیقات کرکے تادیبی اقدامات کرے اور مذکورہ اسکول کو اسی علاقہ میں بحال اور قائم رکھنے کی کوشش کرے، اور لوگوں کو اس بات کا یقین دلائے کہ اسکول قائم رہے گا اور کسی صورت میں بند نہیں کیا جائے گا۔

نیز یہ جلسہ مطالبہ کرتا ہے کہ مذکورہ اسکول کے لئے کسی علٰحدہ عمارت کا انتظام کرے اور جب تک یہ نہ ہو اس اردو اسکول کو اسی نئی عمارت میں رہنے دیا جائے۔

انجمن ترقی اردو احمد آباد کا یہ اجلاس محکمۂ ریڈیو (آل انڈیا ریڈیو۔ احمد آباد) سے پرخلوص مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے روزانہ پروگرام میں اردو زبان کو بھی مناسب جگہ دے۔ اردو سے گجرات کا جو تعلق ہے اور اردو بولنے، لکھنے، پڑھنے اور سمجھنے والوں کی جو تعداد ہے اس کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ گجرات میں گجراتی زبان کے بعد دوسرا درجہ اردو زبان ہی کا ہے عام حالات میں گجراتی عوام و خواص کی اردو سے گہری دلچسپی کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہاں اردو مشاعروں میں ۲۵-۲۵ اور ۳۰-۳۰ ہزار شائقین جمع ہو جاتے ہیں۔ گجرات میں اردو کے شاعر، ادیب، محقق، مصنف اور مقرر سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ خصوصاً گجرات کے جن جن شہروں میں ملیں اور کارخانے قائم ہیں وہاں ہزاروں کی تعداد میں شمالی ہند کے اردو داں موجود ہیں۔ ان تمام حالات کے پیش نظر گجرات کے لاکھوں اردو دانوں کی خواہشات کا احترام کرنا محکمۂ ریڈیو کا اخلاقی فرض ہے۔

چنانچہ انجمن ترقی اردو کا یہ اجلاس آل انڈیا ریڈیو احمد آباد سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے روزمرہ کے پروگرام میں اردو کو کم از کم ایک گھنٹہ کا وقت دے کہ اردو تقریریں، اردو مشاعرے، اردو فیچر، ڈرامے، افسانے وغیرہ نشر کرے تاکہ ان لاکھوں اردو دانوں کی دلچسپی اور تسکین کا سامان ہو سکے۔

احمد آباد ریڈیو اسٹیشن سے مزدوروں کا پروگرام گجراتی ہی میں نشر ہوتا ہے حالانکہ گجرات کے مزدوروں میں اردو داں ہندو مسلم مزدوروں کی کافی تعداد موجود ہے اس لئے ضروری ہے کہ مزدوروں کے پروگرام میں اردو کو بھی جگہ دی جائے۔

اردو ہندی ایسوسی ایشن جمال محمد کالج۔ ترچناپلی

جمال محمد کالج اردو ہندی ایسوسی ایشن کا افتتاحی جلسہ بروز دوشنبہ ۲۹ راگست ۱۹۶۱ء کو شام کے ۴½ بجے زیر صدارت ڈاکٹر امیر الدین احمد صدر تمل ناڈ اردو مجلس کالج ہال میں منعقد ہوا۔ میر نذیر احمد نے مہمانوں کا استقبال کیا۔ مسٹری نرسمہن جی نے افتتاحی خطبہ دیا۔ سمپت کمار کے ہدیہ تشکر پر جلسہ اختتام کو پہنچا۔

(نذیر احمد سکریٹری)

انجمن ترقی اردو کلکتہ کے زیر اہتمام یوم نظیر اکبرآبادی

اردو کے زندۂ جاوید عوامی شاعر نظیر اکبرآبادی کی یاد تازہ کرنے کے لئے حسب اعلان ۲۷ر اگست سنہ ۱۹۶۱ء کی شام کو انجمن ترقی اردو کلکتہ نے "اردو ہال" میں "یوم نظیر اکبرآبادی" منایا۔ پروفیسر پرویز شاہدی نے جلسہ کی صدارت فرمائی۔ حسب توقع اردو دوستوں سے ہال بھرا ہوا تھا۔

کارروائی کی ابتدا نظیر اکبرآبادی کی نظم "آدمی نامہ" سے ہوئی جسے محمد عقیل صاحب نے ترنم کے ساتھ سنایا۔

پھر اسدالزماں صاحب اسد نے نظیر کی غزلوں سے متعلق اپنا مقالہ پڑھا۔ نظیر نظم گو کی حیثیت سے تو بہت مشہور ہیں لیکن اسد صاحب نے ان کی غزلوں کے حوالے سے یہ ثابت کیا کہ وہ ایک اچھے غزل گو بھی تھے اور ان کی غزلوں میں بڑی توانائی موسیقیت اور رنگارنگی ہے۔ اس کے بعد انیس الدین صاحب نے اپنا مقالہ "اردو شاعری پر نظیر کے احسانات" پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ نظیر سب سے پہلے شاعر ہیں جن کی شاعری میں ہمیں "ہندوستان" نظر آتا ہے۔ یہاں کے میلے ٹھیلے پرسب تہوار اور روزمرہ کے واقعات کی شاعری کے موضوع میں انھوں نے اردو شاعری کو عوام کی زبان عطا کی اور اس طرح ہندوستانی شاعری کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد سالک لکھنوی صاحب نے اپنی تقریر شروع کی اور فرمایا کہ تذکرہ نگاروں نے نظیر کو ایک پوچ اور لچر شاعر سمجھا کیونکہ انھوں نے روایتی شاعری سے بغاوت کی۔ اردو شاعری کو دربار سے نکال کر عوام کے درمیان لا کھڑا کیا۔

لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا نظیر کی اہمیت واضح ہوتی گئی۔ اور آج ہم بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ پہلا شاعر ہے جس نے اردو شاعری کو اپنے گلہائے رنگ سے جنت نظر بنا دیا ہے۔ احمد اللہ انصاری صاحب بزمی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ نظیر کے یہاں جو تصویریں ہمیں ملتی ہیں وہ سو فی صدی ہندوستانی اور عوامی ہیں اس لئے وہ ہمارا ترقی پسند قومی شاعر ہے۔

آخر میں جناب صدر نے فرمایا کہ موسیقی، زباں دانی، مواد اور واقعیت جس حیثیت سے بھی نظیر کی شاعری کا جائزہ لیا جائے وہ عظیم شاعر ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے پاؤں ہمیشہ زمین پر رہے اور ان کا تعلق براہ راست عوام سے رہا انھوں نے روایتی شاعروں کی طرح تصور سے تصویریں نہیں بنائیں بلکہ تصویروں سے تصور کی دنیا آباد کی۔

ساڑھے سات بجے مشاعرے کا دور شروع ہوا۔ نظیر اکبرآبادی کے مصرعہ "ہم نے تو اپنا دل دیا ہم کو کسی نے کیا دیا؟" پر مقامی شعراء نے غزلیں پیش کیں۔ اس کے بعد غیر طرحی دور شروع ہوا۔ پھر پرویز شاہدی صاحب نے اپنی تازہ نظم "قیدی گیت" سنائی۔ یہ نظم ٹیگور کے جشن صد سالہ سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے جس میں ٹیگور کو بالکل نئے انداز سے خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نظیر اکبرآبادی کی نظم "برسات اور پھسلن" محمد فیروز صاحب نے خوش الحانی سے سنائی۔

(علقمہ شبلی۔ کنوینر ادبی کمیٹی)

تمل ناڈ اردو مجلس کا مشاعرہ

۲۷ر اگست سنہ ۱۹۶۱ء

اتوار کی شب ۹ بجے تمل ناڈ اردو مجلس کی زیر نگرانی دکھن بھارت ہندی پرچار سبھا ترچناپلی کی عمارت میں طرحی مشاعرہ شری ایس۔ چندر سولی اسکریٹری دکھن ہندی پرچار سبھا کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں مرکزی وزیر بی۔ گوپال ریڈی بھی شریک تھے۔ صدر مشاعرہ نے صدارتی تقریر میں کہا کہ "یہ ہندی اور اردو کا میل گنگا جمنا کا سنگم ہے، جن کے ربط کی روانی سے اگر بھارت کو سینچا جائے تو دائمی بہاریں پرورش پائیں گی"۔ جناب گوپال ریڈی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "اردو زبان سو فی صد ہندوستان کی زبان ہے جس کو غیر ملکی یا صرف مسلمانوں کی زبان کہنا لاعلمی کی دلیل ہے۔ ملک کے طول و عرض میں بلا لحاظ مذہب و ملت لاکھوں افراد اردو زبان بولتے اور سمجھتے ہیں۔ اس کی مہک سارے دیس میں پھیلی ہوئی ہے جس کو صوبائی زبان بنا کر کسی ایک صوبے کی مٹھ بند کلی میں سمو نہیں سکتے۔ ہندوستانی عوام کو اردو مشاعروں میں جو لطف ملتا ہے وہ دوسری زبانوں کی ادبی محفلوں میں نہیں ملتا۔ اور دور حاضر میں جس تیزی سے دوسری زبانوں کے دوش بدوش یہ ترقی کر رہی ہے اسی طرح آئندہ بھی کرے گی"۔ پھر ڈاکٹر ٹی۔ امیرالدین احمد صدر تمل ناڈ اردو مجلس اور جناب ایم۔ اے۔ سعید پرنسپل جمال محمد کالج نے اردو کی موجودہ حالت پر تقریریں کیں۔ مشاعرہ بہت کامیاب رہا۔

(شیخ داؤد رفائی۔ جنرل سکریٹری تمل ناڈ اردو مجلس)

انجمن ترقی اردو شاخ کھڑگپور کی ادبی نشست

۳۰ر اگست سنہ ۶۱ء بروز بدھ انجمن ترقی اردو شاخ کھڑگپور کی جانب سے عزیزیہ پرائمری اسکول میں رات کے ۹ بجے زیر صدارت جناب ایم۔ حنیف انیس صاحب "یوم ذوق" منعقد ہوا۔ بزم کا آغاز ولی الدین صابر کے حضرت ذوق پر ایک مقالہ سے ہوا۔ اس کے بعد عبدالغنی کوثر نے اپنا مقالہ بعنوان "ذوق آئینۂ تحقیق میں" پڑھا جس میں ذوق کی زندگی اور کلام کا جائزہ لیا گیا۔

مقالات کے بعد مقامی شاعروں نے اپنا کلام سنایا اس کے بعد جناب صدر انیس صاحب نے ذوق کے چند واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے جلسے کی کارروائی کو ختم کیا۔

(عبدالغنی کوثر۔ کنوینر۔ ادبی سب کمیٹی کھڑگپور)

انجمن کی مطبوعات

اُردو ہندی ڈکشنری	مرتبہ انجمن	قیمت ۲۰٫۰۰
باپو کے قدموں میں	ڈاکٹر راجیندر پرشاد	۱۵٫۰۰
سیاسیات کے اصول (مکمل)	ہارون خاں شروانی	۵٫۰۰
کاروان معیشت	نجم الدین شکیب	۶٫۵۰
دھمپد	شور لکھنوی (مترجم)	۳٫۰۰
اسلام کے علاوہ مذاہب کی ترویج میں اُردو کا حصہ	ڈاکٹر محمد عزیز	۵٫۰۰
مرقع افغان	ابرار حسین فاروقی	۳٫۲۵
ہندی ادب کی تاریخ	ڈاکٹر محمد حسن	۵٫۵۰
قومی تہذیب کا مسئلہ	ڈاکٹر سید عابد حسین	۶٫۰۰
ہندوستانی سماجیات	ڈاکٹر جعفر حسن	۴٫۵۰
اولی قومی تذکرے (اول)	کشن پرشاد کول	۶٫۵۰
" " " (دوم)	"	۴٫۵۰
اسلامی فن تعمیر	مبارز الدین رفعت	۶٫۰۰
کچھ زر کی بابت (مجلد)	ابو سالم	۴٫۵۰
نفسیات افواہ	ولی الرحمٰن	۱٫۷۵
اطلاقی سماجیات	ڈاکٹر جعفر حسن	۴٫۵۰
انواع فلسفہ (مجلد)	ظفر حسین خاں	۵٫۵۰
ایک مشرقی کتب خانہ	مبارز الدین رفعت	۳٫۰۰
مذہب اور دھرم	مہاتما گاندھی	۴٫۰۰
مشترکہ زبان	"	۴٫۵۰
پرچھائیں	آصف علی	۴٫۰۰
حیات اجمل	قاضی عبد الغفار	۸٫۰۰
محاسن کلام غالب	ڈاکٹر عبد الرحمٰن بجنوری	۱٫۰۰
یادگار حالی	صالحہ عابد حسین	۴٫۲۵
اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام	مولوی عبد الحق	۱٫۰۰
زنداں نامہ (مجموعہ کلام)	فیض احمد فیض	۲٫۲۵
ذکر حافظ	سجاد ظہیر	۲٫۲۵
تنقیدیں	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۴٫۵۰
ترقی پسند ادب (نیا ایڈیشن)	سردار جعفری	۳٫۷۵
مقالات حالی (حصہ اول)	حالی	۳٫۲۵
اُردو صرف و نحو (جدید ایڈیشن)	مولوی عبد الحق	۱٫۰۰
چند ہم عصر	"	۱٫۲۵
انتخاب کلام میر	"	۲٫۵۰
ست سئی (اُردو ترجمہ)	بیگم قدسیہ زیدی	۳٫۰۰
" (ہندی ")	"	۳٫۰۰
سن ستاون	پنڈت سندر لال	۴٫۰۰
نوائے ظفر	خلیل الرحمٰن اعظمی	۳٫۲۵
تذکرہ شعرائے جے پور	احترام الدین احمد شاغل	۶٫۵۰

آئینۂ حقیقت	پنڈت جیبالال رحمٰن شاستری	قیمت ۲٫۰۰
شو پنہار	مجنوں گورکھپوری	۱٫۵۰
ہندوستانی اخبار نویسی	عتیق صدیقی	۱۲٫۰۰
دیوان غالب	امتیاز علی عرشی	۲۰٫۰۰
ہندی ادب کی تاریخ	ڈاکٹر محمد حسن	۵٫۵۰
اردو ساہتیہ کا اتہاس	احتشام حسین	۷٫۲۰
انتخاب دیوان مومن	حامد حسن قادری	۳٫۵۰
رسیلے بول	عظمت اللہ خاں	۱٫۵۰

انجمن کی نئی مطبوعات

کچھ ذرے کچھ تارے (مجموعہ کلام)	آنند نرائن ملا	۲٫۵۰
حالی کی ایک جھلک	بیگم صالحہ عابد حسین	۱٫۵۰
اُردو غزل (جدید ایڈیشن)	ڈاکٹر یوسف حسین خاں	۹٫۰۰
الایام	ڈاکٹر طٰہٰ حسین	۴٫۰۰
سخن مختصر (نیا مجموعہ کلام)	جذبی	۳٫۰۰
تاریخ جمالیات	مجنوں گورکھپوری	۳٫۰۰
انجم کدہ	عزیز لکھنوی	۳٫۵۰
غزل اور درس غزل	اختر انصاری	۳٫۰۰
نئے ڈرامے	مرتبہ ڈاکٹر محمد حسن	۵٫۰۰
دیمک کی کہانی	ڈاکٹر عبد البصیر خاں	۲٫۰۰
گل کرسٹ اور اس کا عہد	عتیق صدیقی	۷٫۰۰
غالب	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۶٫۰۰
شاد کی کہانی شاد کی زبانی	محمد مسلم	۵٫۰۰
بھگوت گیتا	محمد اجمل خاں	۳٫۵۰
نئی روشنی	محمد فضل الرحمٰن	۱٫۵۰

شعرائے کے انتخابات

مخدوم ۔ سکندر علی وجد ۔ جگر بریلوی ۔ حبیب احمد صدیقی
فیض ۔ تاباں ۔ شاد عارفی ۔ مجاز ۔ فراق گورکھپوری
اثر لکھنوی ۔ جاں نثار اختر ۔
ہر انتخاب کی قیمت ۷۵ نئے پیسے

ملنے کا پتہ

انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ

بقیہ

اُردو ادب اور ہندوستانی تہذیب

ہندوستان میں ہندو تہذیب اور ہندو ادب کا احیاء، پاکستان میں اسلامی اور پاکستانی ادب کا نعرہ۔ کہیں فراقؔ صاحب کی یہ آواز بھی انھیں آوازوں میں نہ شامل ہو جائے۔ حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ فراقؔ صاحب کے یہ خیالات بہت پُرانے ہیں اور انھوں نے بہت پہلے اپنی شاعری میں ان عناصر کو لانے کی کوشش کی تھی۔

وحید اختر: ہندوستانی تہذیب کے عناصر ہندوستان کی ہر زبان کے ادب میں ہونے چاہئیں لیکن ان کی نوعیت مختلف زبانوں میں مختلف ہوگی۔ کوئی زبان غیر فطری طور پر اور کسی منصوبے کے ماتحت کسی اثر کو فوراً قبول نہیں کرسکتی اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس کی شعوری کوشش اور زیادہ مصنوعی ادب نہ پیدا کرے جس طرح ہمارے یہاں مقصدی ادب کی تحریک پروپگنڈہ بن کر رہ گئی۔

شہریار: فراقؔ صاحب نے "نیا دور" میں جو مضمون لکھا تھا اس کا عنوان "اُردو ادب اور مشترکہ کلچر" تھا۔ اُردو دوسری زبانوں سے اس لئے ممتاز ہے کہ یہ نہ صرف ہندوؤں کی زبان ہے اور نہ صرف مسلمانوں کی۔ اس زبان کو ہم مشترکہ کلچر کی پیداوار کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی زبان میں کسی ایک تہذیب کے عناصر ہی نہ ہوں گے۔ مسلمانوں کے اثر سے اس میں عرب، ایران، مصر، ترکی اور دوسرے ممالک کی تہذیبوں کا اثر ہے اور ہندوستان میں پیدا ہونے کی وجہ سے یہاں کی زندگی اس میں جھلکتی ہے۔ اور یہاں کے بعض تصورات کو بھی اُردو نے قبول کیا ہے۔ یہ کہنا صحیح ہے کہ ہندو کلچر کا اثر اس پر غالب نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُردو ایسے زمانہ میں پیدا ہوئی جب مسلمان حکمراں اور فاتح تھے اس لئے اپنی تہذیب کو فطری طور پر بلند و برتر سمجھتے تھے۔ تھوڑا بہت اثر انھوں نے یہاں کا قبول کیا۔ پھر ایرانی اور مغل تہذیب کو نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ یہاں کے ہندوؤں نے بھی قبول کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو کے ہندو ادیبوں کے یہاں بھی یہی اثرات غالب ہیں۔ مسلمانوں کے بعد یہاں انگریز آئے جو اپنے ساتھ نئے علوم، نئی سائنس، ادب، تہذیب اور قومیت کے نئے تصورات لائے۔ اس لئے ہمارا جدید ادب زیادہ تر مغرب سے متاثر رہا ہے اور اس کی بعض خوبیوں کو اس نے اپنایا ہے۔ اُردو شاعری مغرب کے اثر کے بغیر اقبال نہیں پیدا کرسکتی تھی اور اقبال چاہے ہندوستانی مزاج رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں عہد حاضر کے بڑے شعراء میں ہیں جن کی عظمت بین الاقوامی سطح پر محسوس کی گئی۔ فراقؔ صاحب نے اپنے مضمون میں زیادہ تر شاعری سے مثالیں لی تھیں۔ جدید ادب میں ہمارے یہاں نثر کو جو فروغ ہوا ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ نثر کا یہ فروغ مغرب کی دین ہے۔ مختصر افسانہ، تنقید اور دوسری اصناف میں اُردو ہندوستان کی کسی زبان سے پیچھے نہیں اسی طرح اُردو کی جدید شاعری ہندی وغیرہ کے مقابلہ میں زیادہ وسیع ہے، اور جدید ذہن اور جدید فکر کی نمائندگی کرتی ہے۔ فراقؔ صاحب نے ایک جگہ اپنے مضمون میں اُردو کے بعض اہم ادیبوں کے ساتھ جاں نثار صاحب کا نام بھی لیا تھا جو غیر ضروری تھا۔

آل احمد سرور: یہ بالکل صحیح ہے کہ ادب کا ایک باشعور طالب علم اپنے ادب کے سرمائے سے غیر مطمئن ہوتا ہے اور یہ صحت کی علامت ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ماضی اور حال کا جائزہ لے کر اُردو ادب کو نئے زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ہے۔ لیکن یہ مسائل آسان نہیں ہیں، اس میں بعض خطرے بھی ہیں۔

اُردو زبان اور اس کا ادب کسی ایک تہذیب کی علامت نہیں ہے۔ یہ مختلف تہذیبوں کا سنگم ہے۔ یہ زبان خود مختلف تہذیبوں کے ملاپ سے پیدا ہوئی۔ اس میں مجموعی طور پہ ہندوستانی تہذیب کا عکس ملتا ہے۔ اُردو میں ایک لحاظ سے کمی ہے اور ایک لحاظ سے افراط۔ یہ زبان ہندوستانی کم اور ایشیائی زیادہ ہے۔ جنوبی ہند، بنگال، مہاراشٹر وغیرہ میں جو ادب پیدا ہوا اس پر ہندوستان کے جغرافیہ کا اثر زیادہ ہے۔ جغرافیائی خصوصیت نے تہذیب پر اثر ڈالا ہے۔ لیکن اُردو نے اس کمی کو ایک اور آریائی زبان فارسی کے اثر سے پورا کیا ہے۔ ہمارے یہاں Devotional شاعری کم ہے لیکن اس کمی کو ایسی شاعری پورا کرتی ہے جسے سیکولر شاعری کہتے ہیں۔ اُردو شاعری میں عالمی اور آفاقی عناصر زیادہ ہیں، ہم نے ادب میں عالمی معیاروں کا ساتھ دیا ہے اور مغرب کے اثر سے دورِ حاضر کے مسائل سے زیادہ قریب رہے ہیں۔ ہندی اور دوسری زبانوں میں جو شاعری ملتی ہے وہ ان معنوں میں دل کش ہے کہ وہ ٹھیٹھ ہندوستانی ہے۔ لیکن ان زبانوں میں ایسے شاعر یا ادیب کم ہیں جنھیں ایشیائی یا عالمی کہا جاسکے۔ اُردو میں یہ چیز دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اُردو میں سب کچھ ہے اور اس میں کسی اضافے کی ضرورت نہیں۔ اُردو زبان کو ہندوستانی تہذیب کی وحدت پر اور زور دینا ہے۔ جہاں ہم ہندوستانی تہذیب پر زور دیتے ہیں وہاں جدید صنعتی دور کی شعریت کو بھی بھولنا نہیں چاہیے۔ جدید مشینی اور سائنسی دور کی شعریت کو نظر انداز کر کے جغرافیائی اور علاقائی تہذیب پر ضرورت سے زیادہ زور دینا مناسب نہیں ہوگا۔ جغرافیائی اور علاقائی تہذیب کے زندہ عناصر کو جذب کر کے اس کی توسیع کرنی ہوگی۔ اس توسیع کے امکانات سب سے زیادہ اُردو زبان میں ہی ہیں۔ اُردو زبان میں ناول اور بڑی نظموں کی ضرورت ہے۔ ناول کو ماڈرن ایپک کہا گیا ہے۔ اس کے بغیر کسی تہذیب یا کسی زمانے کی روح کو اعلیٰ پیمانے پر ظاہر نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں بڑے کینوس پر ادبی تخلیقات کی ضرورت ہے، ہماری نظموں میں بھی ابھی غزل کی زبان رائج ہے یہ زبان جامع اور لطیف ہونے کے باوجود نئے شعور کا اظہار نہیں کرسکتی؛

ہماری شاعری زندگی کا عطر پیش کرتی ہے خود زندگی کو اس کی وسعت اور رنگارنگی کے ساتھ نہیں پیش کر پاتی۔ اس معاملے میں ہمیں اور بھی آگے قدم بڑھانا ہے۔

فراق گورکھپوری: میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کا غلط مطلب نہ نکالا جائے۔ ہندو ادب یا اسلامی ادب یا پاکستانی ادب قسم کی چیزوں سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ اس سلسلے میں حسن عسکری سے میری بحث ہو چکی ہے۔ میں جغرافیائی یا سیاسی یا مذہبی معنوں میں ہندوستانی ادب کے حق میں نہیں ہوں البتہ یہ ضرور چاہتا ہوں کہ اردو کا ادب وسیع اور عظیم ہو۔ ادب میں عظمت اور وسعت اس وقت تک نہیں آتی جب تک ہماری پشت پر تہذیبی سرمایہ نہ ہو۔ تہذیبی سرمائے میں دیومالا اور لیجنڈ سے لے کر بت تراشی، مصوری، رقص، موسیقی سبھی چیزیں آتی ہیں۔ میں ان چیزوں کو شعریت اور ادبیت کا سرچشمہ سمجھتا ہوں۔ سائنس کی ایجادات کو بھی اب اس میں شامل سمجھنا چاہئے۔ یہ چیزیں جب ہمارے شعور اور وجدان میں رس بس جاتی ہیں تو دورِ حاضر کے مسائل پر ہم گہرائی کے ساتھ نظر ڈال سکتے ہیں۔ اخبارات سے زیادہ دورِ حاضر کے مسائل پر کون لکھتا ہے لیکن اس کا شمار ادب میں نہیں ہوتا۔ ادب میں رمزیت، بلاغت اور تخلیقی شان ہونی چاہئے میں انھیں معنوں میں تہذیبی عناصر سے فائدہ اٹھانے پر زور دیتا ہوں۔ مغرب میں جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں جدید زمانے کے شاعروں اور ناول نگاروں نے پرانے myth کو نئے مسائل کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس طور پر اس میں رمزیت اور گہری معنویت اور ادبی حُسن پیدا ہوا ہے۔ یہ بات نہیں کہ اُردو میں جس طرح کی چیزیں لکھی جا رہی ہیں میں انھیں یکسر ختم کر دینا چاہتا ہوں اور نہ ہی میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ کام سب لوگ کریں لیکن میری یہ خواہش ضرور ہے کہ کچھ لوگ اس میدان میں آئیں جو اُردو ادب کو تہذیبی عناصر سے مالا مال کر دیں۔ خود عربی، فارسی یا قرآن سے متاثر ہونے کا کام رکنا نہیں چاہئے۔ اسی طرح سنسکرت ادب کی اعلیٰ کتابوں سے بھی اکتساب کیا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم سنسکرت سیکھیں۔ شیکسپیئر یونانی نہیں جانتا تھا، لیکن پلوٹارک کے ترجمے کو پڑھ کر یونانی اثرات کو جذب کر لیتا ہے۔ ذرا سا تبدیل ہو کر دیومالا اس کے یہاں جاندار ہو جاتی ہے۔ رامائن کا قصہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ایک شخص کی بیوی کو دوسرا شخص اغوا کر لے گیا۔ پولیس میں آئے دن اس طرح کے واقعات آتے ہیں۔ لیکن اس پر اعلیٰ ادب بغیر ایک تہذیبی تصور اور روایات کے سلسلے کے نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ فارسی اور عربی ادب نے ایک زمانے میں ترجموں کے ذریعے یونانی اور لاطینی ادب سے فائدہ اٹھایا اور ایسا کرنے میں ان زبانوں کے ادیبوں نے کوئی حرج نہیں سمجھا۔ علوم کسی ایک زبان کی میراث نہیں ہوتے۔ اس طرح کا چھوت چھات ادب کے لئے جائز نہیں۔ پھر سنسکرت اور فارسی دونوں بہنیں ہیں۔ ان زبانوں میں بعض گہری مماثلتیں ہیں، اس لئے سنسکرت کے بعض موزوں الفاظ اور صوتی اثرات سے اُردو کو نقصان نہیں ہوتا۔ بعض تاریخی اسباب کی بنا پر جیسا کہ میرے بعض دوستوں نے اشارہ کیا ہم نے سنسکرت ادب کی اعلیٰ شاعری اور ڈرامہ وغیرہ کو نظر انداز کیا لیکن اب حالات بدل گئے ہیں اب تو مغرب اور مشرق کی تمام تہذیبی وراثت ہماری دسترس میں ہونی چاہئے۔

خواجہ مسعود علی ذوقی: میں سمجھتا ہوں فراق صاحب نے اپنی بات کی اب خاصی وضاحت کر دی ہے۔ ان کا مطلب نہ احیاء پرستی ہے اور نہ اُردو زبان کو بدیسی قرار دینا بلکہ اُردو ادب کے موجودہ سرمایہ میں اضافے کی کوشش۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس بات سے شاید ہی کوئی شخص انکار کرے کہ ہمیں ابھی اپنی زبان کو بہت کچھ ترقی دینا اور اس میں نئے عناصر کا اضافہ کرنا ہے۔

مجنوں گورکھپوری: کوئی ادب غیر ملکی یا نیم ملکی رہ کر عظیم نہیں ہو سکتا۔ ہمیں آفاقی سے پہلے جغرافیائی اور ملکی ہونا ہے۔ اُردو ادب کی یہ بدقسمتی ہے کہ وہ سیاسی انتشار اور تبدیلیوں کے زمانے میں پیدا ہوا اس لئے یا تو رسمی اور روایتی ادب زیادہ پیدا ہوا جو فرار کی علامت تھا ورنہ ہنگامی عناصر کی زیادتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں موضوعات کی وسعت اور تنوع تو ہے لیکن گہرائی اور پائداری نہیں ہماری افادی اور مقصدی یا سیاسی اور قومی شاعری اب تاریخ میں دفن ہوتی جا رہی ہے۔ اس میں زمانہ گزرنے کے بعد کوئی دلکشی نہیں محسوس ہوتی۔ خواہ وہ حالی کی شاعری ہو یا کسی اور کی۔ ہمیں اس ہنگامی انداز سے بچنے کے لئے یقیناً اپنی پشت پر تہذیب و ثقافت کا سرمایہ رکھنا چاہئے۔ دیومالا یا myth کا تعلق مذہب سے اتنا نہیں جتنا شاعرانہ اور تخلیقی ذہن سے ہے۔ میں ان چیزوں کو فنکارانہ تخلیق سمجھتا ہوں۔ کسی زمانہ کی دیومالا اگلے زمانہ کا سمبل بن جاتی ہے، اس لئے دیومالا کے استعمال کو احیائی میلان سمجھنا درست نہیں۔ احیائی میلان کا تعلق نقطۂ نظر سے ہے۔ وہ بغیر دیومالا کے استعمال کے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن دیومالا کے سمبل استعمال کر کے بھی جدید اور ترقی پسند خیالات پیش کئے جا سکتے ہیں اور پیش کئے گئے ہیں۔ مذہبی اور خرافاتی دور میں آسمانی صحیفے سائنس اور آرٹ کا مخزن تھے اور انسانی ذہن کی خلاقانہ صلاحیتوں کے بہترین نمونے ہمیں وہاں ملتے ہیں۔ ادیب اور شاعر ان سے بہت کچھ انسپریشن لے سکتا ہے۔

پبلشر نذیر حسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا